محمد وارث کامل

پہلی اور آخری ملاقات

عرصے سے یہ تمنا دل میں چٹکیاں لے رہی تھی کہ اس مفکرِ اسلام سے ایک دو بار ضرور ملوں جس نے عمر بھر حکمت و ثقافت کے جام و مینا میں مشرق و مغرب کے خم خانوں کی کشید کی ہوئی شراب انڈیلی ہے۔ میرے ایک عزیز دوست مولانا محمد جعفر شاہ پھلواروی نے ایک دن یہ مژدۂ جاں بخش سنایا کہ:

خلیفہ صاحب آجکل لاہور میں ہیں اور روزانہ بلاناغہ ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ میں ان کا نزولِ اجلال ہوتا ہے، آپ ان سے ملنا چاہیں تو بڑے شوق تشریف لائیں لیکن وقت کی پابندی کا خیال ضرور رہے خلیفہ صاحب ۱۱ بجے سے دو بجے تک مل سکتے ہیں۔

اگلے دن شوقِ ملاقات کشاں کشاں مجھے کلب روڈ لے گیا، گیارہ بجنے میں کچھ ہی منٹ باقی تھے نرسنگداس گارڈنز کے وسیع و عریض احاطے کے ایک گوشے میں ادارہ کے کچھ رفقا کرسیوں پر پرے جمائے بیٹھے تھے میں بھی رسمی علیک سلیک کے بعد ایک خالی کرسی پر براجمان ہو گیا۔ ابھی رفقائے ادارہ سے میں کوئی بات بھی نہیں کر پایا تھا کہ ایک چھوٹے سائز کی کار احاطے کے ایک سرے پر آکر رکی رفقائے ادارہ برقی سرعت کے ساتھ سروقد اپنی اپنی جگہ چپ چاپ کھڑے ہو گئے میں نے بھی ان کی تقلید کی۔ کار سے اچھے خاصے حجم و ضخامت کا ایک صحیفۃ النسانیت برآمد ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس آرام کرسی پر جو پہلے ہی سے وسط میں بچھی ہوئی تھی ایک ایسی شخصیت سے پہلی بار آنکھیں چار ہوئیں جس کے چہرے بشرے سے شگفتگی ٹپکتی تھی۔ مولانا جعفر شاہ پھلواروی نے چپکے سے میرے کان میں کہا:

خلیفہ صاحب یہی تو ہیں، تعارف کے لیے کسی تمہید کی ضرورت نہیں، کچھ اپنی کہو اور کچھ ان کی سنو۔

خلیفہ صاحب ٹھہرے نباض فطرت، بات چیت میں خود ہی پہل کی، فرمایا، آپ کی تعریف؟ رفقائے ادارہ میں سے کسی صاحب نے تعارف کا خوش گوار فرض ادا کیا چونکہ برسبیل تذکرہ میرے شعری ذوق اور ترجمہ کی صلاحیتوں کی جانب بھی اشارہ کیا گیا تھا اس لیے خلیفہ صاحب کی فرمائش اور رفقائے ادارہ کے اصرار پر مجھے اپنی ایک طویل نظم سنانی پڑی یہ نظم ولیم ورڈس ورتھ کی ایک انگریزی نظم کا ترجمہ تھا۔ موصوف نے غالباً میری حوصلہ افزائی کی خاطر نظم پر اظہار تحسین کیا، مجھے یاد پڑتا ہے آپ نے ایک مصرع میں تھوڑی سی ترمیم بھی فرمائی تھی۔

اپنے مخصوص انداز میں خلیفہ صاحب مختلف موضوعات پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے رہتے گویا ایک دبستان معرفت کھلا ہوا تھا۔ کبھی کبھی آپ گفت گو کے دوران کسی نہ کسی رفیق سے کوئی علمی سوال بھی کر بیٹھتے تھے۔ باتوں باتوں میں یہ موضوع چھڑ گیا کہ انگریزی سے اردو میں ترجمے کے لیے بعض اوقات مناسب الفاظ نہیں ملتے۔ کسی صاحب نے کہا، خلیفہ صاحب اب تو کتب لغات کی کثرت نے یہ عقدہ حل کر دیا ہے۔ الفاظ تو الفاظ، اصطلاحات کے ترجمے بھی مل جاتے ہیں۔ خلیفہ صاحب نے فرمایا، اگر یہ بات ہے تو آپ ہی سے کوئی صاحب فرمائیں کہ ORTHODOX کا ترجمہ اُردو میں کیا ہوگا۔ غالباً کسی مصلحت سے رفقائے ادارہ نے اس سوال کا رُخ میری جانب پھیر دیا میں نے کچھ تامل کے بعد عرض کیا کہ اس کا مناسب ترجمہ راسخ العقیدہ ہو سکتا ہے۔ خلیفہ صاحب نے ترجمہ کی صحت میں تو کلام نہیں کیا البتہ یہ بات فرمائی کہ یہ ترجمہ اتنا ثقیل ہے کہ ذہن اس کا بوجھ برداشت نہیں کر سکتا۔ سیدھا سادہ ترجمہ کیجیے۔ اس پر میں نے اردو کا ٹھیٹھ لفظ "کٹر" تجویز کیا تو خلیفہ صاحب کی رگ ظرافت پھڑک اٹھی اور آپ نے ایک بھرپور قہقہہ سر کیا۔ میں نے عرض کیا کہ اُردو زبان نے رسوخ و راسخ کے الفاظ نہ اپنائے ہوتے تو ہم ORTHODOX اور ORTHODOXY کے لیے یہ الفاظ بڑی بے تکلفی کے ساتھ استعمال کر سکتے تھے۔ اس پر خلیفہ صاحب اور ان کے رفقا نے جنبش سر و دوش پر اکتفا کیا جس کے معنی یہ تھے کہ ہمیں صحیح اور مناسب الفاظ کی نایابی کا شدت سے احساس ہے۔

لاہور کے ادبا، شعرا، اور علما کا ذکر چھڑا تو خلیفہ صاحب نے بڑے لطیف انداز میں فرمایا، اس دور میں ارباب کمال کا قحط ہے، ایک صاحب جو ماشاء اللہ کہنے کو ایم اے پی ایچ ڈی تھے مجھ سے ملے اور کہا کہ:

خلیفہ صاحب میں بھی آپ کے ادارہ میں ایک رکن کی حیثیت سے علمی خدمات پیش کرنی چاہتا ہوں کیا آپ مجھے اس کے لیے موقع عنایت فرمائیں گے

میں نے ان کی بات سنی اور صاف لفظوں میں یہ کہا کہ:

آپ نے اس سے پہلے اگر کوئی علمی خدمت سر انجام دی ہے تو اس کا کوئی تحریری ثبوت دیجیے یا کوئی نیا مضمون لکھ لائیے تاکہ میں یہ جائزہ لے سکوں کہ آپ کی خدمات کس حد تک ادارہ کے لیے مفید ہو سکتی ہیں۔

وہ صاحب کچھ دنوں کی غیر حاضری کے بعد پھر تشریف لائے لیکن تھے تہی دست۔ تہی دستی کا عذر یہ پیش کیا کہ بیروزگاری کے سبب دماغ حاضر نہیں ہے اس لیے کچھ نہیں لکھ سکا۔ آپ مجھے اپنے ادارہ میں شامل کر لیجیے پھر دیکھئے میرا اشہب خامہ کیسی کیسی جولانیاں دکھاتا ہے۔

میں نے اُن صاحب سے یہ بات کہی کہ:

جناب والا! اگر آپ کی جگہ میں ہوتا اور ملازمت موقوف ہوتی صرف چند صفحات لکھنے پر تو میں آپ

کو یقین دلاتا ہوں کر میں پچاس صفحے لکھ لانا معلوم ہوتا ہے کہ آپ سند یافتہ ایم اے پی ایچ ڈی تو بینک ہیں لیکن پختہ مشق انشا پرداز نہیں نظر آتے۔ بہتر یہ ہوگا کہ آپ کچھ عرصے تک کچھ نہ کچھ لکھنے کی مشق بہم پہنچائیں وہ صاحب ایسے گئے کہ پھر انہوں نے اپنی صورت نہیں دکھائی۔ اس دور کے ادبا، شعرا اور علما کی تصویر بھی اس آئینے میں دیکھیے۔ مجھے تو اس صحرا میں کوئی قیس نظر نہیں آتا حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ:

جز قیس اور کوئی نہ آیا بروئے کار

صحرا مگر بہ تنگیٔ چشم حسود تھا

موضوع گفتگو پھر بدلا اور یہ بات چل نکلی کہ آیا نام محض تعارف کے لیے ہوتے ہیں یا ان کی تہ میں کوئی اور معنوی حقیقت بھی مضمر ہے۔ میں نے گفتگو کے لیے موقع غنیمت جانا اور یہ بات کہی کہ اگر سب نہیں تو بعض نام ضرور ایسے ہوتے ہیں جن کی معنوی حقیقت کا اطلاق ان شخصیتوں پر بھی ہوتا ہے جن سے یہ نام منسوب ہیں۔ مثلاً دور نہ جائیے خلیفہ صاحب کے نام پر ایک امعانی نظر ڈالیے کیا یہاں اسم اور مسمیٰ میں ہم آہنگی نہیں ہے۔ آپ عبدالحکیم اسماً بھی ہیں معناً بھی۔ خلیفہ صاحب کی ذات زیر بحث آئی تو صرف اتنا فرمایا کہ حکیم تو کوئی اور ہے میں تو محض عبد ہوں اس پر موقع کی مناسبت سے میں نے کسی کا یہ فارسی شعر پڑھ دیا

گرچہ خوردیم نسبتے ست بزرگ

ذرۂ آفتاب تابانیم

دو بجا ہی چاہتے تھے اور خلیفہ صاحب کو کچھ دفتری کاغذات پر دستخط کرنے تھے اس لیے آپ تھوڑی دیر کے لیے کھو گئے۔ اس دفتری سرخ فیتے سے فراغت کے بعد آپ نے سر اٹھایا، مسکرائے اور خراماں خراماں اپنی کار کی جانب بڑھے۔ سب سے باری باری مصافحہ کے بعد اگلی نشست پر بیٹھے اور عقبی نشست پر میں اور ایک دوسرے صاحب جم کر بیٹھ گئے لطف کی بات یہ ہے کہ ادارۂ ثقافت اسلامیہ کا یہ ڈائرکٹر اپنی کار میں ڈرائیوری کے فرائض سرانجام دے رہا تھا۔ کار فراٹے بھرتی چلی جارہی تھی اور خلیفہ صاحب۔ کہ موٹر چلانے کے ساتھ ساتھ کسی نہ کسی موضوع پر ایک آدھ فقرہ بھی فرماتے تھے۔ ریگل سینما کے قریب جب کار پہنچی تو خلیفہ صاحب کی زبان پر یہ فقرہ تھا:

مولانا آپ نے بی اے کا امتحان کس سنہ میں پاس کیا تھا؟

میں نے جواب میں عرض کیا، ۱۹۳۷ء میں جسے آج ۲۱ سال ہوتے ہیں۔ خلیفہ صاحب نے فرمایا "صرف" ہمیں تو یہ منزل طے کیے ہوئے نصف صدی گزر چکی ہے۔ ملاقات کا سلسلہ اسی فقرہ پر ختم ہوا—— میں کار سے اترا، اور خلیفہ صاحب کی کار پلک جھپکتے میں نگاہوں سے اوجھل ہوگئی —— دل میں یہ حسرت ہی رہ گئی کہ ملاقات کا سلسلہ کچھ اور دراز ہوتا۔ لیکن یہ حسرت بعد میں بھی نہ نکل سکی اور وہ اس لیے کہ خلیفہ صاحب ہی دنیا سے سدھار گئے۔